جماعت احمدیہ میں نظامِ خلافت کی برکات

(فرمودہ ۷ ؍جولائی ۱۹۳۹ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

''مَیں پہلے تو اس امر پر افسوس کا اظہار کرتا ہوں کہ ابھی اس مسجد کے بعض کونے سائبانوں کے بغیر نظر آ رہے ہیں اور وہاں بیٹھنے والوں کے لئے دھوپ سے بچنے کا کوئی انتظام نہیں۔ حالانکہ جب مَیں نے اِدھر توجہ دلائی تھی اُس وقت سے لے کر اب تک کافی عرصہ گزر چُکا ہے اور اگر منتظمین چاہتے تو وہ آسانی سے اس ضرورت کو درمیانی عرصہ میں پورا کر سکتے تھے۔ میرے پہلی بار توجہ دلانے پر چار پانچ ماہ کا عرصہ گزر چُکا ہے اور دوسری دفعہ کی توجہ پر بھی دو ماہ بلکہ اس سے کچھ زائد ہی ہو گئے ہیں۔ اس وقت مجھے بظاہر دو نئے سائبان لگے ہوئے معلوم ہوتے ہیں یا ایک ہی سائبان ہے جس کے دو حصّے ہیں مگر بہرحال وہ کافی نہیں اور جب منتظمین اس کا انتظام کرنے لگے تھے تو انہیں چاہئے تھا کہ مسجد کو ناپ لیتے اور دیکھ لیتے کہ سائبان سے ساری جگہ ڈھک جائے گی یا نہیں۔

اس کے بعد مَیں جماعت کے دوستوں کو اس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ اس وقت دُنیا میں ایک عملی تغیر پیدا ہو رہا ہے۔ پہلے انفرادی طور پر آگے بڑھنے کی کوشش کی جاتی تھی مگر اب قومی طور پر جماعتوں کی اصلاح کی طرف توجہ کی جاتی ہے۔ سب سے پہلے یہ آواز دُنیوی اقوام میں ۱۹۱۷ء میں لینن نے اُٹھائی ہے۔ اس کے بعد اس کی نقل ترکی میں مصطفٰی کمال پاشا نے کی۔

پھر اٹلی میں انقلاب پیدا ہوا اور مسولینی نے اسی رنگ کا نظام اپنے مُلک میں جاری کیا اور اس کے بعد جرمنی میں ہٹلر کے ذریعہ یہ نظام قائم ہوا۔ اس تغیر اور اس انقلاب میں ہمیں دو قسم کی متضاد تحریکیں نظر آتی ہیں اور گو طریقِ عمل ایک ہی ہے لیکن تحریکیں متضاد ہیں۔ روس کی تحریک بالکل اَور رنگ کی ہے اور مسولینی اور ہٹلر کی تحریک بالکل اَور رنگ کی ہے لیکن یہ قاعدہ دونوں کے اندر کام کرتا نظر آتا ہے کہ ایک بالا نظام جو کچھ فیصلہ کرے افراد کو اس فیصلہ کی پابندی کرنی چاہئے۔ اِس طرز سے ان مُلکوں میں جو تغیر پیدا ہوا اور ان کی طاقت اور قُوّت میں جو اضافہ ہوا وہ عیاں اور بالکل ظاہر ہے جسے ہر شخص دیکھ سکتا ہے۔ روس ایک ایسا مُلک تھا جس میں تعلیم بالکل ہی نہیں تھی اور ایک مطلق العنان حکومت اس جگہ قائم تھی لیکن اِس نظام کے ماتحت وہاں تعلیم اتنی عام ہوگئی ہے کہ اب قریباً قریباً ناخواندہ لوگ وہاں نظر آنے مُشکل ہو گئے ہیں اور وہی روس جو ایک زمانہ میں بلحاظ نظام نہایت کمزور اور بودہ سمجھا جاتا تھا آج اس کی قُوّت سے بڑی بڑی حکومتیں مرعوب ہیں۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ روس پہلے بھی ایک بہت بڑی طاقت تھی۔ کیونکہ یہ مُلک بہت بڑا ہے اس میں آبادی بہت زیادہ ہے اور اس میں بسنے والی جنگی قومیں ہیں۔ اسی وجہ سے ہر قوم کی یہ خواہش ہوا کرتی تھی کہ وہ روس سے دوستانہ تعلقات پیدا کرے مگر ان میں نظام بالکل نہیں تھا۔ چنانچہ گزشتہ جنگ عظیم میں روسیوں کی دو دو تین تین لاکھ فوج کا بعض دفعہ جرمنی کے پچاس ساٹھ ہزار سپاہیوں نے مقابلہ کیا ہے اور اُنہوں نے اپنے توپخانہ کی کثرت کی وجہ سے روسیوں کو بھاگ جانے پر مجبور کیا ہے۔ چنانچہ مجھے یاد ہے جب جنگِ عظیم شروع ہوئی اور انگلستان اور روس کی حکومتیں بھی فرانس کے ساتھ شامل ہوگئیں تو سول اینڈ ملٹری گزٹ اور دوسرے انگریزی اخبارات میں بڑے بڑے موٹے حروف میں لکھا ہوتا تھا کہ Russian Steam Roller Coming یعنی روس کا سڑکوں کو کوٹنے والا انجن آ رہا ہے۔ گویا انہیں روسیوں کی فوج کی کثرت اور سپاہیوں کی بہادری پر اس قدر اعتماد تھا کہ وہ سمجھتے تھے جس طرح سڑک کو کوٹنے والے انجن کے سامنے پتھر روڑا نہیں ٹھہرتا اور پِس جاتا ہے اُسی طرح جرمن فوجوں کو روسی فوجیں دباتی چلی جائیں گی۔ یہ ہیڈنگ برابر کئی دنوں تک اخبارات میں چھپتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ سٹیم رولر جرمنی کی سرحد پر پہنچ گیا اور

وہاں دس پندرہ لاکھ روسی فوج کا اجتماع ہو گیا۔ اس کے بعد یہ خبریں آنی شروع ہوئیں کہ روسی فوجیں جرمنی کی حدود میں داخل ہو گئی ہیں اور انہوں نے جرمن فوجوں کو بُری طرح پَسپا کرنا شروع کر دیا ہے۔ چنانچہ اخبارات نے بھی اپنے عنوان میں تبدیلی کر دی اور اُنہوں نے بجائے یہ لکھنے کے کہ Russian Steam Roller Coming یہ لکھنا شروع کر دیا کہ Russian Steam Roller Advancing یعنی روس کا سڑک کوٹنے والا انجن آگے بڑھ رہا ہے۔ چنانچہ روزانہ اس قسم کی خبریں آنی شروع ہوگئیں کہ آج روسی فوجیں اتنے میل آگے بڑھ گئی ہیں، آج اتنے میل آگے بڑھ گئی ہیں اور آخر یہ خبریں شائع ہونے لگیں کہ اب وہ عنقریب برلن میں داخل ہو جائیں گی۔ اس وقت یہ حالات دیکھ کر لوگوں میں بحث شروع ہوگئی تھی کہ انگلستان اور فرانس کی فوجیں پہلے برلن میں داخل ہوں گی یا روس کی۔ اور قیاس یہ کیا جاتا تھا کہ روس کی فوجیں برلن میں پہلے داخل ہوں گی مگر ایک دن معاً خبر آئی کہ روس کی دس پندرہ لاکھ فوج جو آگے بڑھ رہی تھی اس میں سے لاکھوں زخمی ہو گئے ہیں۔ لاکھوں ہلاک ہو گئے ہیں اور باقی تمام تتّر بتّر ہو کر مُلک میں اِدھر اُدھر دوڑے پھرتے ہیں اور انہیں کوئی جائے پناہ نظر نہیں آتی گویا روسیوں کی تمام فوج ھَبَـــاءً ہو کر رہ گئی اور ذرّات بن کر میدانِ جنگ سے اُڑ گئی۔ اس وقت لوگوں کو معلوم ہوُا کہ جرمن والوں کا یہ ایک منصوبہ تھا جس سے کام لے کر اُنہوں نے روسیوں کو شکست دی۔ وہ جانتے تھے کہ ہمارے توپخانہ کے مقابلہ میں روسی کچھ کر نہیں سکتے مگر وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ان کے مُلک میں جا کر اگر ہم لڑے تو ہماری لڑائی آدمیوں سے نہیں بلکہ قلعوں سے ہوگی کیونکہ جب ہم نے توپخانہ کا مُنہ کھولا تو یہ دوڑ کر قلعوں میں پناہ گزین ہو جائیں گے اور قلعے چونکہ توپوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں اس لئے ہمیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ پس اُنہوں نے یہ ہوشیاری کی کہ وہ بظاہر شکست کھاتے ہوئے واپس لوٹے اور روسیوں کو اس علاقہ میں لے آئے جس میں دلدلیں ہی دلدلیں تھیں۔ جب دلدلیں عبور کر کے وہ اپنے علاقہ میں پہنچ گئے اور روسی فوجیں بھی ان کے تعاقب میں آ گئیں تو انہوں نے اپنے توپخانہ کا مُنہ کھول دیا۔ نتیجہ یہ ہوُا کہ روسیوں نے بے تحاشا بھاگنا شروع کر دیا اور کئی تو دلدلوں میں پھنس کر ہلاک ہو گئے، کئی گولہ و بارود سے ہلاک ہوئے اور کئی سخت مجروح ہو کر ناکارہ ہو گئے اور چونکہ انہیں درمیان میں

کسی جگہ بھی اپنی فوج کی تنظیم کا موقع نہیں مِلا تھا اس لئے فوج میں بدنظمی پیدا ہوگئی اور ابتری کی حالت میں نہ وہ جرمن والوں کا مقابلہ کر سکے اور نہ اپنی جانوں کو بچا سکے۔ اس دن مغربی حکومتوں کو پہلی دفعہ یہ معلوم ہوا کہ روس کا سٹیم رولر محض انسانوں کے گوشت کا ایک ٹیکرا[1] تھا اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں تھی اور نہ کوئی سامان اس کے پاس موجود تھا چنانچہ سب سے پہلے روس کو شکست ہوئی حالانکہ رُوس کا مُلک اتنا وسیع ہے کہ مؤرخین لکھتے ہیں جو قوم روس پر حملہ کرتی ہے وہ ضرور تباہ ہو کر رہتی ہے۔ چنانچہ جب روس میں بالشوزم کی تحریک اُٹھی۔ اُس وقت انگریزوں اور فرانسیسیوں اور یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ والوں نے وہاں بغاوتیں کرائیں، فوجیں بھیجیں، روپیہ بھیجا، سامان بھیجا اور ہر لحاظ سے لوگوں کی مدد کی مگر روس کی اس گری ہوئی حالت کے باوجود وہ فوجیں سَو سَو دو دو سَو میل بڑھ کر تھک کر واپس آ گئیں مگر کسی کو یہ ہمت نہ ہوئی کہ وہ ایک دن بھی مُلک میں حکومت کر سکے۔ نپولین جو فرانس کا بادشاہ تھا اس کی طاقت ٹوٹنے کی بھی یہی وجہ تھی کہ وہ روس کے اندر گھس گیا مگر یہ مُلک اتنا وسیع تھا کہ وہ اپنی تمام طاقت اس میں ضائع کر بیٹھا۔ تو گزشتہ جنگ عظیم میں رُوس نہایت ادنیٰ حالت میں تھا نہ اس کی فوجیں اچھی تھیں نہ اس کے جرنیل اچھے تھے، نہ اس کے پاس اچھا توپخانہ تھا اور نہ سامانِ جنگ بافراط اس کے پاس موجود تھا مگر اس تنظیم کے ماتحت جو لینن نے شروع کی ان میں ایسا تغیر پیدا ہوا کہ آج جنگی سامانوں میں سب سے زیادہ اہمیت ہوائی جہازوں کو دی جاتی ہے اور یہ تسلیم شُدہ امر ہے کہ سب سے زیادہ ہوائی جہاز آجکل روس کے پاس ہی موجود ہیں۔ اب یا تو وہ زمانہ تھا کہ رُوس کے پاس ہوائی جہاز تو کیا توپیں بھی بہت کم تھیں اور جو تھیں وہ بہت ردّی اور ناقص مگر آج رُوسیوں کے جنگی ہوائی جہاز تعداد میں دُنیا کی تمام حکومتوں کے ہوائی جہازوں سے زیادہ ہیں اور دوسرا سامان بھی اُن کے پاس نہایت اعلیٰ درجہ کا ہے۔

تھوڑے ہی دن ہوئے مَیں نے ایک لسٹ دیکھی جس میں یہ ذکر تھا کہ مختلف ممالک کے پاس کیا کیا جنگی سامان ہے۔ اس لسٹ کے دیکھنے سے مجھے معلوم ہوا کہ رُوس کے پاس اس وقت دس ہزار ہوائی جنگی جہاز ہیں، جرمنی کے پاس سات ہزار ہیں، انگلستان کے پاس چھ ہزار ہیں، فرانس کے پاس ساڑھے پانچ ہزار ہیں اور اٹلی کے پاس پانچ ہزار۔ گویا اٹلی سے روس کی

دوگنی طاقت ہے اور انگلستان سے ڈیوڑھے ہوائی جہاز اس کے پاس موجود ہیں حالانکہ ابھی اس نظام کو قائم ہوئے بہت قلیل عرصہ ہؤا ہے مگر ان کی ترقی کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ ان میں ایک عام حُکم جاری کیا جاتا ہے اور ساری قوم بِلا چون وچرا اس کے پیچھے چل پڑتی ہے۔

ٹرکی کی اصلاح بھی اسی وجہ سے ہوئی ہے بلکہ اس لحاظ سے کہ ٹرکی ایک چھوٹا سا مُلک تھا جس کی اخلاقی حالت بھی سخت گری ہوئی تھی اور چاروں طرف سے دُشمنوں نے اسے رگیدا ہؤا تھا۔ ٹرکی کی ترقی روس سے بھی زیادہ عظیم الشان ہے۔ ٹرکی ایک مُردہ قوم تھی جو محض اس نظام کی وجہ سے یکدم ترقی کر کے کہیں کی کہیں پہنچ گئی۔ چنانچہ کُجا تو یہ حالت تھی کہ فرانس اور انگلستان والوں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ ہماری فوجیں قسطنطنیہ میں رہیں گی اور ہماری اجازت کے بغیر تمہارا بادشاہ کوئی حُکم نافذ نہیں کر سکے گا جو حکم بھی تم دینا چاہو گے تمہارے لئے ضروری ہوگا کہ تم پہلے اسے ہمارے سامنے پیش کرو اور ہماری منظوری کے بعد اسے نافذ کرو اور کُجا یہ حالت ہے کہ آج فرانس اور انگلستان کے سفیر ٹرکی کی منّتیں کرتے ہیں کہ تم ہمارے سمجھوتہ میں شامل ہو جاؤ اور ٹرکی کہتا ہے کہ ہم اس وقت تک اس معاہدہ میں شامل نہیں ہو سکتے جب تک ہمیں فلاں علاقہ واپس نہ دیا جائے جو غاصبانہ طور پر ہم سے لے لیا گیا تھا اور انگلستان والے فرانس پر زور دیتے ہیں کہ یہ علاقہ ٹرکی کو ضرور واپس دے دو اور اسے اس معاہدہ میں شامل ہونے دو کیونکہ ٹرکی کے بغیر جرمنی اور اٹلی سے لڑائی کرنا ہمارے لئے سخت مُشکل ہے اور فرانس اس بات پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اُسے وہ علاقہ واپس دے دے۔

گویا وہ مُلک جس کے بادشاہ کو بھی کسی زمانہ میں یہ اختیار نہیں تھا کہ وہ فرانسیسی اور انگریز سفیروں سے مشورہ لئے اور ان کی منظوری حاصل کئے بغیر کوئی حُکم دے سکے۔ آج وہ فرانس اور انگلستان کی برابری کا ہی دعویٰ نہیں کرتا بلکہ جب اسے سمجھوتہ میں شریک ہونے کے لئے کہا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے پہلے ہمارا فلاں علاقہ واپس دے دو پھر کوئی اَور بات ہوگی اور فرانس اس بات پر مجبور ہو جاتا ہے کہ وہ علاقہ اسے واپس کرے مگر یہ اُسی نظام کا اثر ہے جو مصطفیٰ کمال پاشا نے ان میں جاری کیا۔ اس کے بعد اٹلی کی باری آئی یہ بھی گرا ہؤا مُلک تھا اور رُوس کی طرح ہی اس کا حال تھا۔ پُرانی شان وشوکت کے اثر کے ماتحت وہ ایک بڑی طاقت سمجھا جاتا تھا مگر

حقیقی طاقت اس میں مفقود تھی ۔ نہ اس میں تعلیم تھی ، نہ اس میں نظام تھا ، نہ اس کے پاس روپیہ تھا اور نہ کوئی تجارت اس کے پاس تھی مگر اب یہ مُلک اتنا ترقی کر گیا ہے کہ کئی تجارتی منڈیاں اٹلی والوں کے قبضہ میں ہیں اور تجارت کے کئی میدانوں میں وہ انگریزوں کو شکست دے چکے ہیں۔ ان کے سمندری جہاز انگریزی جہازوں سے بدرجہا بہتر ہوتے ہیں۔ ان میں کھانا زیادہ اچھا ملتا ہے اور ان میں آرام و آسائش کا بھی زیادہ خیال رکھا جاتا ہے۔ حتّٰی کہ کئی انگریز افسر جب سرکاری کرائے پر اِدھر اُدھر جاتے ہیں تو اٹلی کے جہازوں میں جاتے ہیں۔ پارلیمنٹ میں اس کے متعلق کئی دفعہ سوال بھی ہوئے اور دریافت کیا گیا کہ ایسے افسروں کو روکا کیوں نہیں جاتا مگر حکومت کی طرف سے یہی کہا جاتا ہے کہ ہمارا کام صرف کرایہ دینا ہے۔ ہم یہ پابندی عائد نہیں کر سکتے کہ وہ فلاں جہازوں میں سوار ہؤا کریں اور فلاں میں نہ ہؤا کریں اس کی وجہ جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے یہی ہے کہ ان جہازوں میں مسافروں کو آرام زیادہ ملتا ہے۔ اس کے بعد جرمن میں تغیر پیدا ہؤا اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ جرمنی کے حالات مختلف تھے۔ روسی اور ترکی اور اطالوی مُردہ قومیں تھیں جو زندہ ہوئیں مگر جرمن مُردہ نہیں تھا۔ جرمن زندہ تھا اس میں علم بھی تھا اِس میں سائنس بھی تھی اور وہ قریب زمانہ میں دُنیا کی بڑی سے بڑی طاقتوں میں شامل رہ چُکا تھا۔ صرف عارضی طور پر وہ دبا دیا گیا تھا۔ پس ہٹلر کا کام اتنا شاندار نہیں جتنا لینن یا مسولینی یا مصطفیٰ کمال پاشا کا لیکن بہرحال اس نے اپنے مُلک کو غلامی سے نکالا اور اسے عزت و رفعت کے مینار پر کھڑا کر دیا۔

مگر جس نظام کے متعلق آج دُنیا کہتی ہے کہ یہ نیا نظام ہے تم سوچو اور غور کرو کہ کیا یہ نیا نظام ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ نیا نظام نہیں بلکہ یہ وہی نظام ہے جسے اسلام نے آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے خلافت کی شکل میں دُنیا میں قائم کیا۔ تم میں سے کوئی کہہ سکتا ہے کہ آج یورپ میں چونکہ یہ ایک نظام قائم ہو چُکا ہے اور اس کے فوائد بھی ظاہر ہو چکے ہیں اس لئے اس کو دیکھ کر آپ نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے مگر مَیں بتاتا ہوں کہ یہ صحیح نہیں۔ تم ۱۹۱۴ء کا میرا وہ لیکچر نکال کر دیکھ لو جو ''برکاتِ خلافت'' کے نام سے چھپا ہؤا موجود ہے۔ اُس میں مَیں نے وہی نظام پیش کیا ہے جس کی آج یورپین حکومتیں تقلید کر رہی ہیں۔ ۱۹۱۴ء میں تو نہ لینن تھا، نہ مسولینی، نہ مصطفیٰ کمال پاشا تھا اور نہ ہٹلر۔ اس وقت مَیں نے یہ نظام لوگوں کے سامنے رکھا اور

انہیں بتایا کہ قومی ترقی انہی اصول پر ہو سکتی ہے۔ پیغامی ہمیشہ میری اس تقریر اور اسی قسم کی اور تقریروں پر اعتراض کرتے رہتے ہیں اور کہا کرتے ہیں دیکھو یہ شخص خود رائی کی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے حالانکہ اسلام نے جو طریق بتایا ہے وہ اس ڈکٹیٹر شپ سے ہزاروں درجے بڑھ کر ہے جو یورپین ممالک میں قائم ہے۔ بے شک ان دونوں میں ایک مشابہت بھی ہے اور وہ یہ کہ جس طرح لوگ ڈکٹیٹروں کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتے ہیں اسی طرح خدا تعالیٰ خلفاء کی اطاعت اور فرمانبرداری کی تلقین کرتا ہے مگر اس کے مقابلہ میں ایک بہت بڑا فرق بھی ہے اور وہ یہ کہ ڈکٹیٹر خود قانون ساز ہوتا ہے مگر خلیفہ قانون ساز نہیں بلکہ ایک اور قانون کے تابع ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتا ہے۔ ہٹلر قانون ساز ہے۔ مسولینی قانون ساز ہے، لینن قانون ساز ہے لیکن اسلامی خلیفہ نظام اور قانون کا اسی طرح پابند ہے جس طرح جماعت کا ایک عام فرد۔ وہ قانون ساز نہیں بلکہ خدائی قانون کا تابع ہوتا ہے اور اسی قانون کو وہ لوگوں سے منواتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خلافت کی وجہ سے لوگوں پر وہ ظلم نہیں ہوتا جو ان مُلکوں میں ہو رہا ہے اور اس کی وجہ یہی ہے کہ یہاں ایک مکمل قانون قرآن کریم کی شکل میں موجود ہے جس پر عمل کرنا اور دوسروں سے عمل کرانا خلفاء کا کام ہے لیکن مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہماری جماعت میں ابھی تک احکام خلافت کی پابندی کی وہ رُوح پیدا نہیں ہوئی جو اسلام لوگوں کے دلوں میں پیدا کرنا چاہتا ہے اور نہ اس نظام کی قدر و قیمت کو اس نے پوری طرح محسوس کیا ہے۔ مجھے حیرت ہوئی جب مَیں نے اپنی جماعت کے ایک اخبار میں غیر مبائعین کے ایک انگریزی اخبار کا ایک نوٹ پڑھا جس میں وہ ہٹلر کی کتاب ''میری جدوجہد'' کے بعض اقتباسات درج کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ مسلمانوں کو اپنی توجہ اس نئے سوشل فلسفہ کی طرف مبذول کرنی چاہئے کیونکہ بظاہر یہ اُن خیالات کے خلاف معلوم ہوتا ہے جو اسلامی جمہوریت کے متعلق قبول کئے جاچکے ہیں لیکن اس تجربہ کے بعد جو جرمنی نے کیا اور اُس تجربہ کے بعد جو یورپ کے بعض اور ممالک میں کیا گیا یہ امر اس قابل ہو جاتا ہے کہ ہم دوبارہ تمام سوال پر غور کریں اور دیکھیں کہ اسلامی نقطۂ نگاہ کیا ہے۔

گویا غیر مبائعین کے دلوں میں بھی اب یہ احساس پیدا ہونے لگا ہے کہ آج سے پچیس سال

پہلے جو تعلیم ہماری جماعت کی طرف سے پیش کی گئی تھی کہیں وہی تو درست نہیں اور کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ غلطی پر ہوں اور اسلامی نظام کے سمجھنے میں اُنہوں نے ٹھوکر کھائی ہو۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اب غیر مبائعین کے دل بھی اس نظام کی خوبی کو تسلیم کرنے لگ گئے ہیں اور اُن پر بھی یہ امر آشکار ہو گیا ہے کہ صحیح نظام وہی ہے جو خلافت کے ماتحت ہو مگر مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جہاں اور لوگ اس طریق کی عمدگی اور خوبی کو تسلیم کرنے لگ گئے ہیں وہاں اپنی جماعت کے بعض افراد اس کی قدر کو نہیں پہچانتے۔ اس وقت ہماری جماعت میں بہت سے لوگ ایسے داخل ہیں جو خیال کرتے ہیں کہ صرف نام کی احمدیت ان کے لئے کافی ہو جانی چاہیئے۔ ایسے آدمیوں سے خواہ ان کی تعداد کس قدر زیادہ کیوں نہ ہو جماعت کو ہرگز کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا اور مَیں سمجھتا ہوں جہاں ان لوگوں کے دماغ میں یہ غلط خیال سمایا ہوا ہے کہ وہ محض احمدی کہلا کر احمدیت کی تقویت کا موجب بن سکتے ہیں وہاں جماعت کے کارکنوں کو بھی یہ خیال اپنے دل سے نکال دینا چاہیئے کہ ان لوگوں کو جماعت سے علیحدہ کر دینا جماعت کے لئے نقصان کا موجب ہوگا یقیناً ان لوگوں کا جماعت سے نکالنا جماعت کے لئے نقصان دہ نہیں بلکہ مُفید ہے اور جماعت اسی وقت ترقی کر سکتی ہے جب اس قسم کے لوگ اس کے اندر موجود نہ ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک ایک فعال جماعت نہ ہو اس وقت تک دُنیا میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہو سکتا۔ اگر ایک طرف ایک ہزار کام کرنے والے لوگ ہوں اور دوسری طرف ایک لاکھ ایسے لوگ موجود ہوں جو نکمّے اور ناکارہ ہوں تو یقیناً ان ایک لاکھ نکمّوں سے ایک ہزار کام کرنے والا زیادہ مفید ہوگا بلکہ ایک طرف اگر ایک ہزار ہوں اور دوسری طرف ننانوے ہزار نکمّے اور ایک ہزار کام کرنے والے ہوں یا دو ہزار ایک طرف ہوں اور دوسری طرف بھی دو ہزار ہوں مگر ان کے ساتھ پانچ دس ہزار نکمّے لوگ بھی ہوں تو باوجود اس کے کہ کثرتِ تعداد دوسری طرف ہوگی جیتیں گے وہی جو گو کم ہوں گے مگر سب کے سب کام کرنے والے ہوں گے کیونکہ گو وہ تھوڑے ہوں گے مگر ان کے گلے میں کوئی ایسے پتھر نہیں ہوں گے جو اُن کو بڑھنے سے روک لیں مگر دوسری طرف گو کام کرنے والوں کی تعداد اتنی ہی ہوگی مگر چونکہ ان کے گلے میں بعض ایسے پتھر بھی ہوں گے جو انہیں نیچے کی طرف جھُکا رہے ہوں گے اس لئے باوجود زیادہ ہونے کے

وہ شکست کھائیں گے اور بدعمل لوگوں کا بارانہیں کامیاب نہیں ہونے دے گا۔

پس جب تک جماعت اس نکتہ کو نہیں سمجھتی اور اس کے اندر یہ بیداری پیدا نہیں ہوتی کہ جو لوگ فعال نہیں، جو کام کرنے والے نہیں، جو قُربانی کرنے والے نہیں، جو دین کے لئے تکالیف اور مصائب برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں وہ ہرگز اس قابل نہیں کہ جماعت میں رہیں۔ اس وقت تک وہ ہرگز اُن عظیم الشان کامیابیوں کو نہیں دیکھ سکتی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے لئے مقدر ہیں اور جو مل کر تو رہیں گی مگر ممکن ہے ہماری غفلت کی وجہ سے کچھ سال پیچھے جا کر ملیں۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ کیا ہوا ہے کہ ہماری جماعت ترقی کرے گی مگر یہ وعدہ جماعت کے متعلق ہے۔ یہ نہیں کہا کہ مَیں بھی ترقی کروں گا یا تم بھی ترقی کرو گے۔ مَیں نے یہاں ''مَیں'' کے لفظ کا ذکر بطور مثال کیا ہے ورنہ میرے ساتھ خدا تعالیٰ کے ذاتی وعدے بھی ہیں۔ پس مَیں نے جو ''مَیں'' کا لفظ استعمال کیا ہے یہ صرف مثال کے طور پر کیا ہے اور میرا منشاء اس سے یہ ہے کہ اس میں زید یا بکر کے متعلق کوئی وعدہ نہیں بلکہ اصل وعدہ یہ ہے کہ جماعت احمدیہ ترقی کرے گی۔

تم جانتے ہو کہ کتنے ہی لوگ ہیں جنہوں نے سر نکالا اور جماعت میں اُنہوں نے بغاوت کی۔ پھر تم یہ بھی جانتے ہو کہ کس کس طرح تم ان فتنوں کو دیکھ کر کانپ اُٹھے تھے اور کس کس طرح رقعوں پر رقعے لکھ کر مجھے پریشان کرتے تھے کہ ان لوگوں سے نرمی اور رعایت کی جائے ورنہ فساد بڑھ جائے گا مگر بتاؤ پھر وہ لوگ کہاں گئے؟ ابھی دو سال کا عرصہ نہیں ہوا تم میں سے ہر شخص اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر بتائے کہ کیا اس وقت مصریوں کی شکل میں ایک بہت بڑی مصیبت تمہارے سامنے نہیں آئی تھی؟ تم کس طرح اس مصیبت کو دیکھ کر گھبرا اُٹھے تھے مگر آج باوجود اس بات کے کہ وہ تمہارے پہلو میں رہتے ہیں تمہیں کوئی پریشانی نہیں۔ تمہیں کوئی تکلیف اور بے چینی نہیں بلکہ آج تو تمہیں اُن کی اتنی بھی پرواہ نہیں جتنی سُوکھے ہوئے پتہ کی ہوتی ہے اور جو راہ چلتے ہوئے پاؤں کے نیچے آ جاتا ہے مگر مجھے تعجب ہے بعض لوگ آجکل بھی مجھے اس قسم کے خط لکھتے رہتے ہیں کہ مصری صاحب نے مصلح موعود کی پیشگوئی کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے اور جماعت کے لوگ اس کتاب کو پڑھتے ہیں۔ انہیں اس کتاب کے پڑھنے سے روکا جائے حالانکہ

یہ بیوقوفی کی بات ہے۔ مجھے مصری صاحب سے جو اختلاف تھا وہ یہ تھا کہ وہ گالیاں دیتے تھے۔ اشتعال انگیز الفاظ استعمال کرتے تھے اور لڑائی جھگڑا پیدا کرنے کے ذرائع ڈھونڈتے تھے اور یہ بات ایسی ہے جسے کوئی شریف انسان برداشت نہیں کرسکتا لیکن اگر ان کا اختلاف اسی حد تک رہے کہ وہ اپنی باتیں سنائیں اور ان کے دلائل پیش کریں تو وہ دلائل اگر صحیح ہوں گے تو نہ صرف مَیں ان کو تسلیم کروں گا بلکہ مَیں جماعت کے دوستوں سے بھی کہوں گا کہ وہ ان کی باتوں کو مان لیں اور اگر وہ دلائل غلط ہیں تو ان کا سلسلہ پر اثر ہی کیا ہوسکتا ہے۔

بہرحال کسی کتاب کے پڑھنے سے دوسرے کو روکنا اتنی بڑی نادانی ہے کہ اس سے بڑی نادانی اور کوئی نہیں ہوسکتی۔ اگر مصری صاحب نے کوئی سچائی پیش کی ہے تو اس کو ماننا تمہارا بھی فرض ہے اور میرا بھی اور اگر وہ جھوٹ ہے تو اس کو ردّ کرنے کی مجھے کیا ضرورت ہے؟ یا مجھے کیا پڑی ہے کہ مَیں اس کے پڑھنے سے لوگوں کو روکوں۔ آخر یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ سچائی میرے پاس ہو اور دلائل دوسرے کے پاس ہوں اور اگر ایسا ہی ہو تو اللہ تعالیٰ پر یہ شدید ترین الزام عائد ہوتا ہے کہ وہ سچائی کے لئے دلائل مہیا نہیں کرتا۔

پس اگر مصری صاحب نے جو باتیں پیش کی ہیں وہ سچی ہیں تو پھر اُن کے پڑھنے سے لوگوں کو روکنا بہت بڑا گناہ ہے اور اگر ہم روکیں تو قیامت کے دن یقیناً ہم ایسی حالت میں اُٹھائے جائیں گے کہ ہمارا مُنہ کالا ہوگا اور خدا کے حضور ہم لعنتی قرار پائیں گے لیکن اگر وہ جھوٹ ہے تو پھر مٹی کے شیر سے ڈرنے کی کیا وجہ ہوسکتی ہے۔ بھلا اس سے بھی زیادہ کوئی بزدل ہوسکتا ہے جس کے کمرہ میں مٹی کا شیر پڑا ہؤا ہو اور وہ اُسے دیکھتے ہی باہر نکل جائے اور دوسروں کو بھی نکال دے اور کہے کہ جلدی چلو یہاں کمرے میں ایک شیر ہے کہیں وہ پھاڑ نہ ڈالے۔ پس جبکہ میرے نزدیک اس کی حیثیت ایک مٹی کے بے جان بُت سے زیادہ نہیں تو مَیں لوگوں کو اس سے روک کر بیوقوف کیوں بنوں۔ میرے نزدیک تو ان کے دلائل اپنے اندر کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ محض ان کی بناوٹ اور لسّانی ہے بلکہ مَیں تو اس کتاب کو اس قابل بھی نہیں سمجھتا کہ خود اس کا جواب دوں۔ بِالخصوص اس لئے کہ یہ مضمون ایسا ہے جس کے متعلق میں اب تک خاموش رہا ہوں۔ ہاں جماعت کے بعض اَور دوست جو اس معاملہ میں جوش رکھتے ہیں وہ اگر چاہیں تو جواب

دے سکتے ہیں۔ مجھے ضرورت نہیں کہ مَیں اس کا جواب دوں۔

باقی اس پیشگوئی کے متعلق میرا نظریہ یہ ہے کہ یہ پیشگوئی کسی مامور کے متعلق نہیں بلکہ غیر مامور کے متعلق ہے اور جب یہ پیشگوئی مامور کے متعلق نہیں تو ایک غیر مامور کو بولنے اور دعویٰ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ دعویٰ ہمیشہ وہاں کیا جاتا ہے جہاں پیشگوئی مامور کے متعلق ہو مگر جب غیر مامور کے متعلق ہو تو اس کے متعلق دعویٰ کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ مَیں نے کئی دفعہ بتایا ہے کہ اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ریل کے متعلق پیشگوئی کی۔ اب کیا یہ ضروری ہے کہ ریل خود بول کر کہے کہ مَیں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیشگوئی کی مصداق ہوں؟ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس بارے میں ریل کا بولنا ضروری نہیں بلکہ ریل اگر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیشگوئی میں آ گئی تو اس پیشگوئی کی صداقت کے لئے ریل کا وجود ہی کافی دلیل ہے۔ کسی دعوے کی اس میں ضرورت نہیں۔ اسی طرح اور کئی ایسی پیشگوئیاں ہوتی ہیں جو باوجود اس کے کہ واقعی طور پر بعض لوگوں پر چسپاں ہوتی ہیں مگر اس بارے میں ان کو دعویٰ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بیشک کئی پیشگوئیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جن میں دعویٰ کرنا ضروری ہوتا ہے مگر وہ پیشگوئیاں بھی ہوتی ہیں جن کے لئے کسی دعویٰ کی ضرورت نہیں ہوتی اور میرے نزدیک مصلح موعود کی پیشگوئی چونکہ مامور کے متعلق نہیں بلکہ غیر مامور کے متعلق ہے۔ اس لئے وہ ان پیشگوئیوں میں داخل ہی نہیں جن میں کسی دعویٰ کی ضرورت ہو۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ یہ پیشگوئی مجھ پر چسپاں نہیں ہوتی بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب کوئی پیشگوئی کسی مامور کے متعلق نہ ہو تو اس میں دعویٰ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہر شخص علامات کو دیکھ کر خود بخود اندازہ لگا سکتا ہے کہ وہ پیشگوئی دوسرے پر چسپاں ہوتی ہے یا نہیں۔ مثلاً اگر مجھ پر تمام علامات چسپاں ہو رہی ہوں اور جس قدر نشانات مصلح موعود کے بتائے گئے ہیں وہ سب مجھ پر پورے ہو رہے ہوں تو مصری خواہ لاکھوں کروڑوں ہو جائیں اور یہ کہہ کر سَر پیٹتے رہیں کہ مصلح موعود کی پیشگوئی مجھ پر چسپاں نہیں ہوتی تو ان کا کچھ نہیں بنے گا۔ ہر شخص جو واقعات کو دیکھے گا وہ خود بخود یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہوگا کہ جب تمام علامات ایک شخص کے وجود میں پوری ہوگئیں تو وہ کیوں مصلح موعود نہیں؟ اور اگر مصلح موعود کی جو علامات بیان کی گئی ہیں وہ مجھ میں

نظر نہ آئیں تو خواہ جماعت مجھے مصلح موعود قرار دے دے مَیں مصلح موعود نہیں بن سکتا۔ لوگ کہیں گے جب علامات پوری نہیں ہوئیں تو مصلح موعود کس طرح ہو گئے۔ مثلاً مصلح موعود کے متعلق اللہ تعالیٰ نے جو علامات بتائی ہیں اُن میں سے بعض یہ ہیں کہ ’’وہ اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا‘‘، ’’زمین کے کناروں تک شُہرت پائے گا‘‘ اور ’’قومیں اُس سے برکت پائیں گی۔‘‘ اب اگر یہ علامات میرے متعلق نہیں تو کسی کو کچھ لکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ جب قومیں مجھ سے برکت نہیں پائیں گی، جب مَیں اسیروں کی رستگاری کا موجب نہیں ہوں گا اور جب مَیں زمین کے کناروں تک شُہرت نہیں پاؤں گا تو لوگ خود بخود فیصلہ کرلیں گے کہ مَیں مصلح موعود نہیں۔ آخر برکت دینے والا خدا ہے نہ کہ مَیں یا مصری صاحب۔ پس جبکہ خدا میرے ذریعہ دُنیا کی اقوام کو برکت نہیں دے گا تو لوگوں کے لئے فیصلہ کرنا آسان ہو جائے گا اور وہ سمجھ جائیں گے کہ میرے متعلق یہ کہنا کہ مَیں مصلح موعود ہوں درست نہیں لیکن اگر قوموں نے مجھ سے برکت پالی، اگر زمین کے کناروں تک مَیں شُہرت پا گیا اور اگر مَیں اسیروں کی رستگاری کا موجب بن گیا تو اس کے بعد بھی اگر کوئی میرے متعلق اس پیشگوئی کی صداقت سے انکار کرے گا تو اس کی مثال ایسی ہی ہوگی جیسے کہتے ہیں کہ کوئی بزدل شخص کسی لڑائی میں شامل ہو گیا۔ اتفاقاً ایک تیر اُس کی پنڈلی میں آلگا اور خون بہنے لگ گیا۔ وہ یہ دیکھتے ہی میدانِ جنگ سے بھاگا اور بھاگتے ہوئے ایک طرف تو اپنے زخم کا خون پونچھتا جاتا تھا اور دوسری طرف کہتا جاتا تھا کہ یا اللہ یہ خواب ہی ہو، یا اللہ یہ خواب ہی ہو۔ کیسی حماقت ہے ایک واقعہ موجود ہے، تیر لگا ہؤا ہے، درد ہو رہا ہے، خون بہہ رہا ہے اور زبان سے کہتا جا رہا ہے کہ یا اللہ یہ خواب ہی ہو۔ اسی طرح اگر خدا نے میرے ذریعہ دُنیا کی مختلف اقوام کو برکت دے دی، اگر خدا نے مجھے اسیروں کی رستگاری کا موجب بنا دیا اور اگر خدا نے مجھے اسلام اور احمدیت کی شوکت اور اس کی عظمت قائم کرنے کا ایک ذریعہ بنا دیا تو کوئی لاکھ شور مچاتا رہے کہ یہ مصلح موعود نہیں دُنیا اس کی بات پر قطعاً کان نہیں دھرے گی اور اگر مجھ میں یہ علامات نہ پائی گئیں تو خواہ میری بیعت میں داخل شُدہ لوگ سب کے سب مجھے مصلح موعود قرار دے دیں مَیں مصلح موعود نہیں ہوں گا۔ کیونکہ لوگ کہیں گے کہ تم یہ بتاؤ ہم واقعات کو کہاں چھپائیں۔ اگر علامات پوری نہیں ہوئیں تو ہم کسی کو

مصلح موعود کس طرح مان لیں؟ لیکن جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے اگر علامات پوری ہو گئیں اسلام میرے ذریعہ ترقی کر گیا، غلام میرے ذریعہ آزاد ہو گئے اور احمدیت میرے ذریعہ پھیل گئی تو مصلح موعود کا جو کام تھا جب مَیں نے وہ کر دیا تو لوگ خواہ انکار کریں مَیں بہر حال مصلح موعود ہوں گا کیونکہ ہمیں کام سے غرض ہے نہ کہ نام سے۔تم کوئی نام رکھو یا نہ رکھو مگر حقیقت یہی ہے کہ جس کے ذریعہ قومیں برکت پائیں گی جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام کو دُنیا کے اکناف تک پھیلائے گا اور جو غلاموں کو آزاد کرے گا وہی مصلح موعود ہوگا۔ چاہے لوگ اُسے مصلح موعود کہیں یا نہ کہیں۔ اس بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اجتہادی غلطیوں کو پیش کرنا نادانی ہے۔مَیں کہتا ہوں دس ہزار اجتہادی غلطیاں بھی اگر تم نکال لو تو وہ اس نشان میں حارج نہیں ہوسکتیں کیونکہ اصل چیز نام نہیں بلکہ کام ہے اور اصل چیز احمدیت کی فتح اور اسلام کا غلبہ ہے۔ یہی کام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تھا اور یہی کام میرا ہے۔ اگر قومیں مجھ سے برکت پا جائیں، غلام آزاد ہو جائیں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام دُنیا کے کناروں تک پہنچ جائے تو پھر کسی اور بحث کا کرنا بالکل فضول اور لغو ہوگا۔ پس میرے نزدیک تو اس کتاب کی کوئی وقعت ہی نہیں لیکن چونکہ ہماری جماعت کے بعض لوگ کہتے ہیں کہ لوگوں کو اس کتاب کے پڑھنے سے روکا جائے اِس لئے مَیں کہتا ہوں کہ کیوں روکا جائے؟ مَیں نے تو عیسائیوں اور آریوں کی کتابیں بھی پڑھی ہیں اور ان سے بڑا فائدہ اُٹھایا ہے بلکہ حق یہ ہے کہ مجھ پر اسلام کی خوبیاں عیسائیوں اور آریوں کی کتابیں پڑھ کر ہی ثابت ہوئیں۔مَیں نے جب غیر مذاہب کی کتابوں کو پڑھا اور مَیں نے اُن کے نقائص اور کمزوریوں کو دیکھا تو مجھے معلوم ہؤا کہ ان کتابوں کے مصنّف کس قدر تقویٰ سے دُور تھے اور کس طرح خلافِ عقل باتیں وہ لوگوں کے سامنے پیش کرتے تھے۔ اس کے مقابلہ میں جب مَیں نے قرآن کو دیکھا تو مجھے نظر آیا کہ اس کی ہر بات عقل کے مطابق ہے اور اس نے ہر مقام پر تقویٰ اور خشیت الٰہی پر زور دیا ہے۔پس میرا ایمان اس فرق کو دیکھ کر جو اسلامی اور غیر اسلامی کتابوں میں پایا جاتا ہے گزوں نہیں، قدموں نہیں بلکہ مِیلوں مِیل بڑھ گیا اور بڑی تیزی سے بڑھا۔

پس وہ شخص جس کے دل میں ایمان ہے اور جو سچ اور جھوٹ میں تمیز کرنے کی طاقت رکھتا ہے

وہ تو جب بھی مصری صاحب کی کتاب کو پڑھے گا اس کی خلافِ تقویٰ باتیں دیکھ کر اس کا ایمان ترقی کر جائے گا اور اگر کوئی ایسا شخص ہے جس کے دل میں ایمانی کمزوری پائی جاتی ہے تو ایسا شخص اگر گمراہ ہوتا ہے تو اس کی گمراہی میرے اختیار سے باہر ہے۔ ایسے لوگوں کے متعلق تو اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ یُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۔[2] اگر وہ قرآن کو پڑھیں گے تو قرآن پڑھ کر بھی گمراہ ہی ہوں گے۔ مصری صاحب کی کتاب کی تو حیثیت ہی کیا ہے۔ پس وہ شخص جس کے اندر مرض ہو اس کے متعلق قرآن کریم کی یہ شہادت ہے کہ اس کی بیماری کو قرآن کریم بھی بڑھا دیتا ہے، کم نہیں کرتا۔ اب اگر ایسے لوگ ہوں تو کیا مَیں انہیں کہہ سکتا ہوں کہ تم قران کریم نہ پڑھا کرو؟ اگر وہی بات درست ہے جو ہمارے بعض دوستوں کی طرف سے پیش کی جاتی ہے تو انہیں چاہئے کہ جب قرآن کریم یہ کہتا ہے کہ میرے پڑھنے سے بعض لوگ بجائے ہدایت پانے کے گمراہ ہو جاتے ہیں تو وہ لوگوں کو قرآن پڑھنے سے بھی روکا کریں۔ مگر کیا وہ روک سکتے ہیں؟ یا مَیں کسی کو حکم دے کر کہہ سکتا ہوں کہ تم قرآن نہ پڑھا کرو؟ چاہے کوئی کتنا ہی ایمان سے کورا ہو مَیں تو اُسے یہی کہوں گا کہ تم قرآن پڑھو کیونکہ اگر آج نہیں تو شاید کل قرآن تمہاری ہدایت کا موجب ہو جائے۔ مگر قرآن بہرحال یہی کہتا ہے کہ یُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا۔ قرآن پڑھنے سے بھی بجائے اس کے کہ بعض لوگوں کے ایمان تازہ ہوں ان کے دل میں خدا اور اس کے رسول اور اس کے مذہب سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسے انسانوں کا کوئی علاج ہے ہی نہیں۔ وہ مصری صاحب کی کتاب کیا وہ تو قرآن بھی پڑھیں گے تو گمراہ ہوں گے۔ پس یہ خیال کر لینا کہ ہماری طرف سے لوگوں کو اس کتاب کے پڑھنے سے روکا جانا چاہئے بالکل غلط ہے۔ ہم لوگوں کو اس کتاب کے پڑھنے سے ہرگز روک نہیں سکتے بلکہ میرے نزدیک جہاں تک دینی تحقیق کا تعلق ہو لوگوں کو اپنے عقیدہ اور اپنے مذہب کے خلاف لکھی ہوئی کتابوں کے پڑھنے سے روکنا سخت ظالمانہ فعل ہے۔ ہر شخص کُلّی طور پر آزاد ہے اور وہ اس امر کا اختیار رکھتا ہے کہ دینی معاملات میں اس کی تحقیق اُسے جس نتیجہ پر پہنچاتی ہے اس پر پہنچ جائے۔ مَیں جس چیز پر ناراض ہوتا ہوں وہ یہ ہے کہ منافقت دکھائی جائے اور دل میں کوئی عقیدہ رکھا جائے اور ظاہر کچھ کیا جائے۔ ورنہ تحقیق تو مَیں اپنے لئے بھی ضروری سمجھتا ہوں اور دوسروں کے لئے بھی۔

میرے بچے جو جوان ہو گئے ہیں مَیں ہمیشہ انہیں کہا کرتا ہوں کہ قرآن کریم کے علاوہ ستیارتھ پرکاش اور انجیل وغیرہ بھی پڑھا کرو۔ کیونکہ ان کتابوں کے بغیر تمہیں اسلام کی خوبیوں کا پتہ نہیں لگ سکتا۔ تو غیروں کا لٹریچر پڑھنا عیب کی بات نہیں بلکہ مَیں ان لوگوں کو بہت بیوقوف سمجھتا ہوں جو ایسی کتابیں چُھپ چُھپ کر پڑھتے ہیں کیونکہ جو شخص کسی دوسرے کو تحقیق سے روکتا ہے وہ اپنے جھوٹے ہونے کا آپ اقرار کرتا ہے۔ ہاں ہمارا یہ حق ہے کہ اگر کسی نے کوئی تحقیق کر لی ہے اور وہ تحقیق ہماری تحقیق اور ہمارے مذہب کے خلاف ہے تو ہم اس سے یہ مطالبہ کریں کہ اب تم ہمارے اندر شامل نہ رہو بلکہ تم الگ ہو کر اعلان کر دو کہ مجھ پر فلاں مذہب یا فلاں عقیدہ کی صداقت کھل گئی ہے اور اب میں بجائے پہلے عقیدہ کے فلاں عقیدہ اختیار کرتا ہوں۔ اگر کوئی اس طرح کر دے تو بات ختم ہو جاتی ہے اور کوئی جھگڑا باقی نہیں رہتا مگر جب کوئی ہمارے اندر شامل رہ کر ہم میں فتنہ پیدا کرتا اور بظاہر تو وہ ہمارے ساتھ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے مگر اندرونی طور پر وہ کسی اَور مذہب اور کسی اَور عقیدے کا قائل ہوتا ہے تو چونکہ اس قسم کی باتیں نظام کو تہہ و بالا کر دیا کرتی ہیں اس لئے ہمارے لئے ضروری ہوتا ہے کہ ہم اس کا مقابلہ کریں اور اس کی اصل شکل میں اسے بے نقاب کر دیں۔ بہرحال ہماری جماعت چونکہ خلافت کے نظام میں منسلک ہے اس لئے جب بھی کوئی فتنہ اُٹھا تو گو بظاہر اس کی شکل نہایت ہیبت ناک تھی مگر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اس کا نام ونشان مٹ گیا اور یہ سب اس نظام کی برکت ہے جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہماری جماعت میں قائم ہے مگر پھر بھی عملی طور پر ہماری جماعت میں ابھی کئی قسم کی کمزوریاں پائی جاتی ہیں۔ کئی کمزور لوگ ہیں جو قُربانیوں میں پورے طور پر حصّہ نہیں لے رہے، کئی اُن مشکلات کو برداشت نہیں کر سکتے جو خدا تعالیٰ کے راستہ میں پیش آتی ہیں اور کئی عدمِ استقلال کی وجہ سے چند دن نیکی کے کاموں کی طرف توجہ کرتے اور پھر ان کو بھُلا کر بیٹھ رہتے ہیں اور یہی وہ باتیں ہیں جن کی ہماری جماعت کو فکر کرنی چاہیئے۔ مَیں دیکھتا ہوں بہت چھوٹی چھوٹی باتیں ہوتی ہیں مگر ہماری جماعت کے بعض دوستوں کا قدم انہی باتوں میں آ کر پھسل جاتا ہے اور وہ استقلال کا مظاہرہ نہیں کر سکتے۔ نیشنل لیگ کا ہی قادیان میں پہلے چھ سَو ممبر ہوا کرتا تھا مگر اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس کے ممبر صرف ۴۶ ہیں۔ اب کُجا چھ سَو اور کُجا چھیالیس۔ کیا ان دونوں میں

کوئی بھی نسبت ہے؟ اور پھر یہ کتنی بے استقلالی کی بات ہے کہ ایک وقت تو نیشنل لیگ کے قادیان میں چھ سوممبر ہوں اور دوسرے وقت صرف چھیالیس ممبر رہ جائیں۔ حالانکہ دوسری قوموں میں آجکل یہ تحریکیں بڑھ رہی اَور زور پکڑ رہی ہیں۔ خاکسار آج سے چند سال پہلے صرف دو ہزار ہؤا کرتے تھے مگر اب تیس چالیس ہزار کے قریب ہیں مگر ہماری نیشنل لیگ کے ممبر چھ سَو سے چھیالیس رہ گئے۔ یہ کتنی خطرناک بات ہے اور اس کی موجودگی میں ہم کس مُنہ سے کہہ سکتے ہیں کہ ہم ایک زندہ جماعت ہیں۔ حالانکہ چاہئے یہ تھا کہ اگر نیشنل لیگ کے پہلے چھ سَو ممبر تھے تو اب اس کے ممبر چھ ہزار یا بارہ ہزار ہوتے۔ اس کے بعد مجلس خدّام الاحمدیہ قائم ہوئی۔ وہ اب تک اچھا کام کر رہی ہے مگر اس کی زندگی ابھی بہت تھوڑی ہے اور نہیں کہا جا سکتا کہ مستقبل میں اس کا کیا حال ہوگا۔ مَیں نے دیکھا ہے لوگوں میں یہ ایک مرض پیدا ہو گیا ہے کہ جس کام پر خلیفہ کا ہاتھ رہتا ہے اس کام کی طرف وہ خوب توجہ کرتے رہتے ہیں مگر جونہی خلیفہ اپنے ہاتھ پیچھے کھینچ لیتا ہے لوگوں کا جوش بھی سرد پڑ جاتا ہے اور ان پر غفلت طاری ہو جاتی ہے حالانکہ خلافت کا وجود تو خدا تعالیٰ نے بطور محور رکھا ہے۔ اب کون سا وہ خلیفہ ہوسکتا ہے جو ہر کام کرے۔ ابھی تو ہماری جماعت بہت قلیل ہے مگر جوں جوں ہماری جماعت ترقی کرے گی کاموں میں بھی زیادتی ہوتی چلی جائے گی۔ ابھی تو ہمارے پاس نہ حکومت ہے، نہ تجارت ہے، نہ یونیورسٹیاں ہیں، نہ علمی ادارے ہیں اور نہ کوئی اَور چیز ہے مگر جب یہ تمام چیزیں آ گئیں تو اس وقت ہمارے کام کا دائرہ اتنا وسیع ہو جائے گا کہ ہمیں ہزاروں کی تعداد میں بڑے بڑے لائق آدمیوں کی ضرورت ہوگی جن کا یہ فرض ہوگا کہ وہ دن رات اپنے کاموں میں مشغول رہیں۔ اگر وہ خود کام نہیں کریں گے اور اپنا فرض صرف یہی سمجھیں گے کہ جس کام کی طرف خلیفہ توجہ دلاتا رہے اسے کرتے رہیں اور جس کام کی طرف وہ توجہ دلانا چھوڑ دے اسے ترک کر دیں تو جماعت کی ترقی کس طرح ہوگی؟ پس ضروری ہے کہ جماعت میں ابھی سے بیداری پیدا ہو اور وہ یہ غور کرنے کی عادت ڈالے کہ جو کام وہ کر رہی ہے وہ اچھا ہے یا نہیں اور جب اسے معلوم ہو کہ وہ اچھا ہے اور خلیفہ نے بھی ایک آدھ دفعہ اس کی طرف توجہ دلا دی ہے تو پھر وہ اس کام کو چھوڑے نہیں بلکہ مستقل طور پر اسے اپنی زندگی کے پروگرام میں شامل کر لے کیونکہ اس کے بغیر ترقی ہونا ناممکن ہے۔ پس

ہماری جماعت کو یہ عادت ترک کرنی چاہئے کہ جب تک خلیفہ کسی کام میں ہاتھ نہیں ڈالے گا اُسے وہ نہیں کرے گی۔ خلیفہ کا کام صرف توجہ دلانا اور نگرانی کرنا ہے آگے جماعت کا یہ کام ہے کہ وہ کاموں کو اپنے ہاتھ میں لے اور اس مضبوطی اور استقلال سے ان کو چلائے کہ پھر ان کو چھوڑے نہیں۔ پس جماعت کے دوستوں کو اپنے اندر بیداری پیدا کرنی چاہئے اور اس دن کے لئے اپنے آپ کو تیار کرنا چاہئے جب کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہمیں وسعتِ برکات حاصل ہوگی اور ایک ایک کام کے لئے ہمیں ہزاروں آدمیوں کی ضرورت ہوگی جو دن رات ان کاموں پر لگے رہیں۔ تم آج ہی ان اہم ذمہ داریوں کے کاموں کے لئے اپنے آپ کو تیار کرو اور اس بات کا انتظار نہ کیا کرو کہ ہر کام کے کرنے کا تمہیں خلیفہ کی طرف سے حکم ملے۔ یہ محض نمائش ہے کہ جب تک تمہارا سردار جس کی تم نے بیعت کی ہوئی ہے تمہیں توجہ دلاتا رہتا ہے تم کام کرتے رہتے ہو اور جب اس کی توجہ کسی اَور کام کی طرف مبذول ہو جاتی ہے تو تم کام سے غافل ہو جاتے ہو۔ یہ ایک خطرناک مرض ہے جس کو دور کرنے کی طرف ہماری جماعت کو توجہ کرنی چاہئے اور اس زمانہ میں جو عظیم الشان تغیرات کا حامل ہے بجائے زبانی باتوں کے عملی کام کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ تم اس بات کی کبھی پرواہ نہ کیا کرو کہ اگر ہم میں سے چند لوگ نکل گئے تو کیا ہوگا؟ عملی جدوجہد کو تیز کرنے اور تنظیم کو برقرار رکھنے کے لئے ایک دو نہیں اگر ہزاروں کو بھی جماعت سے نکالنا پڑے تو تم کبھی مغموم نہ ہو بلکہ خوش ہو کہ خدا نے ایک گندے عضو کو کاٹ کر الگ کر دیا۔ تم نے کبھی نہیں دیکھا ہوگا کہ کوئی ڈاکٹر کسی کے پھوڑے کو چیرے اور اس میں سے پیپ نکالے اور مریض ناراض ہو۔ وہ ناراض نہیں بلکہ خوش ہوتا اور ڈاکٹر کو فیس دیتا اور ہمیشہ اس کا ممنونِ احسان رہتا ہے۔ پس استقلال اور ہمت سے کام کرو اور سستی اور غفلت سے بچو۔ دُنیا میں عظیم الشان تغیرات کے دن قریب آ رہے ہیں۔ پس اس دن کے آنے سے پہلے اپنے آپ کو تیار کرو اور کوشش کرو کہ جس دن دُنیا اپنے حصّے بانٹنے کی کوشش میں ہوگی تم اس دن سب سے بڑا حصّہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لے کر لوٹو۔ اَللّٰھم اٰمین‘‘ (الفضل ۲؍اگست ۱۹۳۹ء)

۱؎ ٹیکرا: ڈھیر۔ انبار

۲؎ البقرۃ: ۲۷